لامذہبی دور کا علمی و تاریخی پس منظر

(۸)

مولانا محمد تقی صاحب امینی صدر مدرس دارالعلوم معینیہ درگاہ شریف اجمیر

نظریۂ جبلت

(۲) نظریۂ جبلت

یہ نظریہ مشہور ماہر نفسیات میکڈوگل WILLIAM MCDOGALL (پیدائش ۱۸۱۷ء) کی طرف منسوب ہے۔

اس کے مطابق انسان کی فطرت میں تمام تر وہی جبلتیں کام کرتی ہیں جو حیوانات میں پائی جاتی ہیں، نیز انسان کے سارے اعمال و حرکات کا سرچشمہ تنہا جبلتیں قرار پاتی ہیں جیسا کہ درج ذیل تصریحات سے وضاحت ہوتی ہے۔

جبلت کی ماہیت اور جسمِ انسانی میں اسکی اہمیت

انسان کے ذہن میں بعض پیدائشی یا موروثی رجحان ہوتے ہیں جو کلی خیالات اور تحریکی قوتوں کے سرچشمہ ہیں دراصل اسی پیدائشی یا موروثی نفسی طبعی میلان کا نام "جبلت" ہے۔[1] ذہن انسان کے اس جبلی میلان کو اگر ایک لمحہ کے لئے بھی جدا کر لیا جائے تو پھر انسان کا جسم کسی "فعلیت" کے قابل نہیں رہتا ہے اور اس کی مثال ایک ایسی گھڑی کی ہو جاتی ہے جس کی کمانی نکال لی گئی ہے یا ایسے "انجن" کی رہ جاتی ہے کہ جس کی آگ بجھا دی گئی ہے۔

اس میلان میں سخت قسم کی تصادمی قوت ہوتی ہے اور یہی قوت وہ ذہنی قوتیں ہیں جو انسان کی شخصی و معاشرتی زندگی کو برقرار رکھتی اور صورت بخشتی ہیں۔[2]

---

[1] معاشرتی نفسیات ص ۱۸ و ۲۶ مصنفہ میکڈوگل۔ مترجم مرزا محمد ہادی صاحب بی، اے۔ [2] حوالہ بالا ص ۱۸

جبلت کی سوانح عمری | میکڈوگل نے جبلت کی سوانح عمری اس طرح بیان کی ہے۔

"ہر جبلت عضو میں بتدریج نشوونما پاتی ہے اور مکمل طور پر ترقی یافتہ ہونے سے قبل بھی جزوی اور ناقص صورت میں اس کا اظہار ہوسکتا ہے لیکن کیڑوں میں ایسا نہیں ہوتا کیونکہ وہ پوری طرح (یا تقریباً پوری طرح) ترقی پاکر عملی دنیا میں قدم رکھتے ہیں بالفاظ دیگر کیڑوں میں جوانی (نشوونما) کا وہ زمانہ نہیں ہوتا جس میں مہارت اور علم اکتساب کئے جاتے ہیں اور جبلتیں آہستہ آہستہ پختہ ہوتی رہتی ہیں، لیکن جوانی کے اس زمانہ سے تمام کیڑے محروم بھی نہیں رہتے ہیں کیونکہ (پہلے) ہم دیکھ چکے ہیں کہ خلوت پسند "بھڑیں" اپنی زندگی کے سب سے بڑے کام (بچوں کی نشوونما) کے لئے موزوں حالات میں انڈا دینے سے قبل آزادی کے ساتھ آوارہ گردی کرلیتی ہیں یہی ان کی جوانی کا زمانہ ہے۔

اس زمانہ میں وہ جبلتیں پختہ نہیں ہوتیں جو انڈے کے دور اور اس دور کے چار بڑے حصوں کو متعین کرتی ہیں اگر یہ پختہ ہوتیں تو ان کا عمل شروع ہوگیا ہوتا، جہاں تک ہم معلوم کرسکتے ہیں فعلیت کے اس دور کی ابتداء ماحول میں کسی تغیر سے نہیں بلکہ جبلتوں کے پختہ ہونے سے ہوتی ہے، جوانی کے اس زمانہ میں بھڑ کی ترغیب پیٹ بھرنے کی جبلت سے ہوتی ہے اس وقت صرف وہ اپنا پیٹ بھرتی ہے اور ان چھوٹے چھوٹے جیوانات کی طرف توجہ نہیں کرتی جن کو وہ بعد میں اپنے بچوں کے لئے شکار کرنے والی ہے، اس تمام عرصہ میں وہ اس مقام کا علم جمع کرلیتی ہے جو تناسلی جبلتوں کے پختہ ہوجانے کے بعد ان جبلتوں کی کارفرمائی کے لئے ضروری ہے۔[1]

جبلت کی تقسیم و تفصیل | جبلت کی دو بڑی تقسیم کی جاتی ہیں (۱) ایجابی اور (۲) سلبی۔

"ایجابی" میں وہ تمام جبلتیں داخل ہیں جو ان چیزوں کی طرف کشش پر مجبور کرتی ہیں جن پر زندگی کا قیام و بقاء موقوف ہے۔

---

[1] اساس نفسیات صفحہ ۱۴۲ از ولیم میکڈوگل - مترجم مولوی معتضد الرحمٰن صاحب۔

اور سلبی" میں وہ جبلتیں شامل ہیں جو ان چیزوں سے نفرت و فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور کرتی ہیں جو زندگی کے لئے خطرناک ہیں۔

تفصیل یہ ہے:۔

(۱) خطرہ سے بچ نکلنے کی جبلت (۲) مقابلہ کی جبلت۔
(۳) نفرت و حقارت کی جبلت (۴) بچوں کی حفاظت کے لئے والدینی جبلت۔
(۵) مصیبت پر شور مچانے کی جبلت (۶) جنسی جبلت۔
(۷) اطاعت و فرمانبرداری کی جبلت (۸) ادعائے نفس کی جبلت۔
(۹) تلاشِ ہم جنس کی جبلت (۱۰) غذا تلاش کرنے کی جبلت۔
(۱۱) ذخیرہ کرنے اور جوڑنے کی جبلت (۱۲) تعمیری جبلت۔
(۱۳) ہنسی کی جبلت۔

ان بڑی جبلتوں کے علاوہ بعض چھوٹی جبلتیں بھی ہیں مثلاً چھینکنا، کھانسنا۔ رفعِ حاجت کرنا وغیرہ۔ جن سے معاشرتی زندگی میں کوئی بڑا کام نہیں انجام پاتا ہے۔[1]

جبلی افعال کی تقسیم | جبلتوں سے جس قسم کے افعال صادر ہوتے ہیں بحیثیتِ مجموعی ان کی تقسیم یہ ہے۔

(۱) وہ افعال جن کا تعلق اپنی ذات کی حفاظت و صیانت سے ہے۔
(۲) وہ جن کا تعلق حصولِ غذا سے ہے۔
(۳) وہ جن کا تعلق بقائے نسل سے ہے۔
(۴) وہ جن کا تعلق علاقۂ جنسی سے ہے۔[2]

یہ واضح رہے کہ جن افعال کو "جبلی" کہا جاتا ہے وہ سب عام اضطراری نوعیت کے ہوتے ہیں، اور خاص قسم کی حسّی مہیجوں سے پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ جب اس قسم کے مہیج حیوان کے جسم سے مس کرتے ہیں یا ماحول

---

[1] جبلتِ نفسیات ص ۱۹۸ مصنفہ رابرٹ ایس وڈورتھ مترجم مولوی احسان احمد صاحب بی، اے۔
[2] مدیرۂ نفسیات ص ۳۰۶ ترجمہ مینول آف سائیکالوجی۔ مصنفہ جی۔ ایف اسٹوٹ۔ مترجم مولانا عبد الباری ندوی۔

میں کچھ فاصلہ پر موجود ہوتے ہیں تو یہ افعال پیدا ہو جاتے ہیں [1]

انسانی اور حیوانی جبلتوں میں کچھ تفریق نہیں ہے

نظریۂ جبلت میں انسانی اور حیوانی جبلتوں میں کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے بلکہ دونوں میں یکسانیت ثابت کرنے کیلئے میکڈوگل نے موگلی Mowgli "نام سے طبعی انسان کا کردار بیان کیا ہے۔ طبعی انسان سے وہ ابتدائی انسان مراد ہے کہ جس نے اعلیٰ حیوان سے ترقی کرکے انسان کے مرحلہ میں قدم رکھا ہے اور انسانی روایات نے ابھی کوئی اثر نہیں کیا ہے۔

اس کے مقابل مصنوعی انسان ہے جو صنعت کا پیداوار ہے یعنی روایتی علم وعقائد اور احساسات و افکار کا ذخیرہ اُس میں جمع ہو گیا ہے۔

چنانچہ وہ کہتا ہے :-

"موگلی" ان تمام احساسی قابلیتوں سے متمتع ہو گا جن سے کہ ہم متمتع ہوتے ہیں نیز اس کی ادراکی تمیز بہت زیادہ ترقی یافتہ ہوگی جیسا کہ اکثر وحشیوں کی ہوا کرتی ہے، اس میں بھی وہی جبلتیں ہوں گی جن کے متعلق ہم یہ فرض کرنے کے وجوہ دیکھ چکے ہیں کہ وہ تمام اعلیٰ غولی دودھ پلانے والے جانوروں میں مشترک ہوتی ہیں۔

وہ بھی مختلف اشیاء و مواقع کے ادراک پر اپنی جبلتوں کے طبعی غایات کے حصول کی ہیجاناً کوشش کرتا ہے۔

اس کو بھی اپنی جبلتوں کی اشتہا فزوں، طلبوں اور ان جذبی تحریکات کا تجربہ ہوتا ہے جو ان جبلتوں کے لئے مخصوص ہیں۔

ہیجانی کوششوں کی کامیابی پر اس کو بھی خوشی یا تشفی ہوتی ہے اور ان کوششوں میں ناکامی یا ان میں رکاوٹ پر افسوس وعدم تشفی کا تجربہ ہوتا ہے۔

یہ سب باتیں تو اس میں ہوں گی لیکن زبان کے نام سے چند جذبی چیخوں، آوازوں اور چند اشاروں کے سوا کچھ نہ ہو گا [2]

---

[1] دستور نفسیات صفحہ ۴۵ مصنفہ ولیم جیمس مترجم مولوی احسان احمد صاحب بی، اے - [2] اساس نفسیات صفحہ ۴۰

پھر "موگلی" کا کردار بیان کرنے کے بعد کہتا ہے :-

ہم فرض کر سکتے ہیں کہ طبعی انسان کچھ اس قسم کی زندگی بسر کرتا ہے قبل اس کے کہ زبان اور مستقل اجتماعی روایات اس کو حیوانی کردار کی سطح سے بہت اونچا کرتے ہیں - اس زندگی میں عقل اصول، ضمیر اور فرائض سب کے سب غائب ہوتے ہیں - اس زندگی میں مسرت کی خاطر وہ تلاش نہیں ہوتی جو الم کے اجتناب سے متغیر ہو جاتی ہے، نہ یہ زندگی زنجیری اضطرارات کا سلسلہ ہے، یہ جبلی ہیجان اور خواہش کی زندگی ہے .... ہم نہیں کہہ سکتے کہ جس سطح پر ہم نے انسان کو فرض کیا ہے اس پر وہ زیادہ تر درختوں پر رہتا تھا یا زمین پر، نہ ہم اس کی طرزِ معاشرت اور طریق بود و باش کی تفاصیل سے واقف ہیں -

لیکن یہ تفاصیل اور اس کی عام عادات خواہ درختی ہوں یا غیر درختی اس میں شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ اسی قسم کی زندگی تھی جیسی کہ ہم نے متصور کی ہے یعنی اس قسم کی زندگی تھی جو ان جبلی ہیجانات کے تابع تھی جو دیگر اعلیٰ دودھ پلانے والے جانوروں کے جبلی ہیجانات کے مشابہ تھیں، ان دونوں کی طرزِ معاشرت میں اگر کوئی فرق ہے تو صرف یہ کہ مقدم الذکر میں پیش بینی اور ربط و ضبط ہوتا ہے[1]۔

طبعی انسان میں حیوان سے بتدریج ترقی ہوتی ہے	طبعی انسان " Mowgli " میں بتدریج ترقی کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے - " اس کا تخیل کسی اور حیوان کے تخیل کے مقابلہ میں بہت زیادہ ترقی یافتہ ہوگا

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا کردار گزشتہ تجربات کے مطابق مستقبل کی زیادہ پیش بینی پر دلالت کرے گا اور یہ کہ آئندہ واقعات و حادثات کی روک تھام اور ان کی تیاری کی غرض سے وہ اپنے فعل کی زیادہ دور رس اسکیم تیار کرے گا۔

نیز اسکیم پر عمل کرنے میں وہ اور اس کے ساتھی ایسا مؤثر و متنوع تعاون کریں گے کہ کوئی اور دودھ پلانے والا جانور نہیں کر سکتا ہے[2]"

"موگلی" میں (حیوان کے مقابلہ میں) تخیل کی اعلیٰ طاقت کا انکشاف اس طرح بھی ہوتا ہے کہ وہ

---

[1] اساسِ نفسیات باب ہفتم۔ [2] اساسِ نفسیات - ص۲۷

زیادہ خود مختار ہوتا ہے اپنے اعمال وافعال کو خود شروع کر سکتا ہے اور اپنی کوششوں کو بہت لمبے عرصہ تک جاری کر سکتا ہے[1]

نظریۂ جبلت اس بنیاد پر قائم ہے کہ انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل ہے۔

ان اقتباسات سے واضح ہوتا ہے کہ نظریۂ جبلت کی تمام تر بنیاد اس پر قائم ہے کہ انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل ہے، اور اس بنا پر دونوں کی جبلت میں یکسانیت ضروری ہے، چنانچہ پروفیسر جیمس نے کہا ہے کہ

"انسان اصولاً بس ایک تقلید کرنے والا حیوان ہے اس کی ساری تعلیم پذیری بلکہ اس کی ساری تمدنی ترقی کا دارومدار اُس کی اسی خصوصیت پر ہے[2]

ایک اور موقع پر ہے۔

"انسانی سیرت وکردار کی کنجی جذبات ہی کے ہاتھ میں ہے اور عقل محض ایک افسرانہ حیثیت سے ان کی نگرانی کیا کرتی ہے۔

پھر چونکہ عقل، ارتقائی حیثیت سے جذبات کے مقابلہ میں بہت ہی کم عمر ہے اور خصائصِ ذہنی کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ صورت ہے اس لئے جہاں شعور اپنے انتہائی نقطۂ کمال سے پست ہوا اور شعورِ خفی کا دور دورہ شروع ہوا بس وہیں عقل کی باگ فوراً ڈھیلی ہو جاتی ہے[3]

سی لائڈ مارگن نے کہا ہے کہ

"انسان ایک قوی الفکر حیوان ہے جو اپنے کردار کے نصب العین قائم کرتا ہے[4]

دوسری جگہ ہے:-

"جب انسان انسان بنا ہے اور اس نے اپنی اس نئی اکتساب کی ہوئی طاقت کا استعمال شروع کیا ہے، اس وقت اس نے اپنے احساسی تجربہ کی زندگی کو ہمیشہ کیلئے خیرباد نہیں کہا ہے، اس نے درحقیقت پرانی زندگی میں نفسی فعلیت کی اعلیٰ صورتوں کے مآلات کی روح پھونکی ہے، ہرچند وہ اب بجائے ذی عقل ہونے کے ناطق بن گیا ہے لیکن وہ ذی عقل بھی ہے

[1] اساس نفسیات ص۲۲۲ [2] پرنسپلز آف سائکالوجی ج ۲ ص۴۰۸ [3] حوالہ بالا ص۸۰ [4] مقدمہ نفسیات متقابلہ ص۲۰۲ مترجم مولوی معتصد الرحمٰن۔

اور ناطق بھی)، اس نے اپنی فطرتِ حیوانی کے جذبات کو پیچھے نہیں چھوڑا (بلکہ) اس نے ان جذبات کو مثالی اور خالص بنالیا ہے۔[1]

اس نظریہ میں فطرتاً اخلاقی عواطف کی گنجائش نہیں ہے | چونکہ انسان اور حیوان کی جبلّت میں کوئی فرق نہیں ہے نیز انسان اصلاً بس تقلید کرنے والا حیوان ہے اس بنا پر لازمی طور سے حیوان کی طرح انسان میں بھی فطرتاً اخلاقی عواطف نہیں پائے جاتے ہیں بلکہ یہ عواطف غور و فکر اور وراثت وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں چنانچہ میکڈوگل معلمینِ اخلاق کے نظریہ کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے :-

معلمینِ اخلاق نے اخلاقی عواطف پر صفحوں کے صفحے کالے کئے ہیں لیکن اپنی بے ہودہ اور عامیانہ اصطلاحات اور نفسیات سے ناواقفیت کی وجہ سے وہ ان پر روشنی ڈالنے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں[2]

ہم کو اعتراض اور افسوس اس بات پر ہے کہ یہ لفظ انسانی اور حیوانی کردار کی جوہری مشابہت کو چھپانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے، میرا خیال ہے کہ جو لوگ انسان کی مختلف حرکی قابلیتوں کو "جبلتیں" سمجھتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس کے پیچیدہ تر کردار کو انعطافات کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ اس غلط عقیدہ کی وجہ سے گمراہ ہوتے ہیں کہ جبلّت ایک محض حرکی مشین کے ہم معنی ہے۔

ان لوگوں سے ہمارا یہ سوال شاید بیجا نہ ہوگا کہ وہ اعلیٰ دودھ پلانے والے جانوروں کے کردار کو کس صنف میں شامل کریں گے؟ یہ جبلّت کا نتیجہ ہے یا انعطاف کا؟ اگر یہ انعطافات کا نتیجہ ہے تو انعطافات اور جبلتوں میں کیا تعلق ہے؟[3]

معلمینِ اخلاق کے ایک اور نظریہ کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے۔

"فعلِ انسانی کا ایک اور نظریہ ہے جو معلمینِ اخلاق کے یہاں بہت محبوب ہے ان کا قول ہے کہ ہمارے کردار کی اعلیٰ صورتیں عقل "Reason" کا نتیجہ ہوتی ہیں ......

[1] مقدمۂ نفسیاتِ متقابلہ صفحہ ۲۱۸ و ۲۱۹ [2] اساسِ نفسیات باب ہفدہم صفحہ ۵۹۶ [3] حوالۂ بالا صفحہ ۲۸۲

ان کی اغراض کیلئے صرف یہ کافی ہے کہ عقل اعلیٰ ترین اصولِ فعل تسلیم کر لی جائے ان میں سے بعض عقل کو ضمیر اور ارادہ کے ہم معنی سمجھتے ہیں [1]

نہ مذہب کو فطری حیثیت حاصل ہے اور نہ اس کیلئے کوئی مستقل جبلت ہے

نظریۂ جبلت میں نہ مذہب کی حیثیت فطری ہے اور نہ اس کے لئے کوئی مستقل جبلت ہے بلکہ مذہب چند جذبات کا پیدا کردہ اور خود انسان کی ایجاد ہے چنانچہ مذہبی زندگی میں جو جذبات بطور جزء اعظم شامل ہیں درج ذیل ہیں۔

(۱) استعظام (۲) رعب اور (۳) حیرت، استعظام حیرت و عجز سے مرکب ہے۔ رعب۔ استعظام و خوف سے مرکب ہے، احترام، رعب اور نازک جذبہ سے مل کر بنا ہے [2]

دراصل اس نظریہ کے مطابق "مذہب" انسانی توہمات و خیالات اور عقائد کے بتدریج ارتقاء کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوا ہے حتیٰ کہ خالقِ کائنات بھی ذہنی ارتقاء کی ایجاد ہے، جس کی صورت یہ ہوئی کہ انسان میں ابتداءً جب کچھ شعور پیدا ہوا تو اس نے اپنے گرد و پیش حیرت انگیز نظام اور خوفناک مناظر کا مشاہدہ کیا اس سے حیرت و خوف کے جذبات نمودار ہوئے پھر لامحالہ انسان کو خوفناک اور ڈراؤنی چیزوں سے اپنے تحفظ کی فکر ہوئی نیز سکون اور پناہ کے لئے کوئی راہ تلاش کرنی پڑی۔

چنانچہ بہت غور و فکر کے بعد یہ بات انسان کے سمجھ میں آئی کہ ان خوفناک و ڈراؤنی چیزوں کو خوشامد و لجاجت سے راضی کیا جا سکتا ہے، یہیں سے پوجا پاٹ کی داغ بیل پڑی اور مختلف اشیاء کی پرستش شروع ہوگئی، پھر جس قدر شعور میں ترقی اور ذہنی بلندی حاصل ہوتی گئی مظاہرِ فطرت کی پرستش کی نوعیت میں تبدیلی ہوتی رہی اور بالآخر انسان اپنے تحفظ کی راہ تلاش کرتے کرتے موجودہ مذہب تک پہونچا اور ایک ایسے خدا کا قائل ہوگیا جو تمام طاقتوں کا خالق و مالک ہے۔

غرض مذہب اس طرح انسان کے احساسِ بیچارگی و جذبۂ خوف سے نمودار ہوا ہے اور نیز اس کے تمام مراسم و اعمال خود انسان کے تراشیدہ اور وضع کردہ ہیں۔

مذکورہ بیان میں نظریۂ جبلت کی جس انداز سے تشریح کی گئی ہے اس میں خصائصِ انسانی کیلئے نہ علیحدہ

---

[1] اساسِ نفسیات۔ [2] معاشرتی نفسیات باب سیزدہم ص ۳۰۱۔

کوئی جبلت تسلیم کی گئی ہے اور نہ کسی ایسی "جوہری توانائی" کا تذکرہ ہے کہ جس کی بنا پر انسان اور حیوان میں پیدائشی امتیاز قائم ہوتا ہے۔

اس نظریہ کا مذہب کے ساتھ سمجھوتہ نہیں ہو سکتا ہے

اسی طرح مذہب و اخلاق کا نظام جن بنیادوں پر اب تک چلتا رہا ہے اس نظریہ میں نہ صرف یہ کہ ان کو کوئی حیثیت نہیں دی گئی ہے بلکہ نفسیاتی طور پر ان کی بیخ کنی کی گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں مذہب کے ساتھ سمجھوتہ کا کوئی سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ کسی جزئی تعبیر و تشریح میں ایک گونہ مشابہت سے دونوں میں مطابقت کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔

نظریہ جبلت میں چند بنیادی خامیاں و کمزوریاں

ذیل میں چند اشارات کئے جاتے ہیں جن سے فطرتِ انسانی تک اس کی نارسائی واضح ہوتی ہے،

(۱) خالقِ کائنات نے کائنات میں انسان کو جو مقام عطا فرمایا ہے اور جس قسم کی تخلیقی و تنظیمی سرگرمیاں وجود میں آتی رہتی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ انسان و حیوان دونوں کی نفسیات میں نمایاں اور بنیادی فرق ہے اور یہ فرق محض ارتقاء کے نتیجہ میں نہیں ہے بلکہ فطری و خلقی ہے۔

(۲) انسان کو قصد و ارادہ کی ایسی مضبوط طاقت عطا ہوئی ہے کہ وہ جبلتوں کی مخالفت کر سکتا ہے اور ان کے طبعی تقاضہ و مطالبہ کو روک سکتا ہے۔ بخلاف حیوان کے کہ اس میں یہ طاقت نہیں ہے۔

(۳) بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ انسان مذہب و اخلاق کے اصول پر عمل کرنے میں جبلتی تقاضوں کی پرواہ نہیں کرتا ہے، اگر اس کی پوری زندگی میں حیوانی جبلتوں ہی کی کارفرمائی ہوتی تو اس صورتِ حال کی گنجائش نہ نکل سکتی تھی، یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جبلتوں کے علاوہ کوئی اور "جوہری توانائی" تسلیم کیا جائے جو انسان کے لئے مخصوص ہو اور حیوان سے اس کا تعلق نہ ہو۔

(۴) مادی زندگی کے علاوہ روحانی زندگی اور اس کے تجربات و مشاہدات بھی ہیں اگر حیوان و انسان کے یکساں رجحانات و میلانات تسلیم کئے جاتے ہیں اور دونوں کے عواطف میں پیدائشی فرق کو نظر انداز کر دیا جائے تو اس زندگی کی گنجائش نہیں نکلتی ہے جبکہ یہ مسلمات میں سے ہے۔

(۵) نظریۂ جبلت کے مطابق انسان جو کچھ حاصل کرتا ہے وہ وراثت و روایات سے حاصل کرتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ پسند و ناپسند کا "معیار" اس کو کہاں سے ملتا ہے کہ جس کی بناء پر بعض کاموں کو پسند کرتا اور بعض کو ناپسند نیز بعض روایتوں کو قبول کرتا ہے اور بعض کو ترک کرتا ہے۔

لازمی طور سے جبلتوں کے علاوہ ایک ایسی "توانائی" تسلیم کرنی پڑے گی جو انسانی خصوصیات کی ضامن اور پسند و ناپسند کے لئے "معیار" عطا کرنے والی ہے اور جس کا حیوان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۶) انسان میں خود شعوری کا وصف ایسا ہے کہ اس کا براہِ راست تعلق خالقِ کائنات سے ہے جس قدر اس میں ترقی ہوتی ہے اسی قدر زندگی میں صفاتِ الٰہیہ منعکس ہوتی رہتی ہیں اور "تَخَلَّقُوا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ" (اللہ والے اخلاق کو اپنے اخلاق بناؤ) کا عملاً مظاہرہ ہوتا رہتا ہے، ظاہر ہے کہ ان صفات کا تعلق حیوان سے ہے اور نہ ارتقاء کے نتیجہ میں اس کی نفسیات سے اُبھرنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔[1]

(۷) انسان کی زندگی کا نظام صرف مادہ اور قوت پر نہیں قائم ہے بلکہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں سے بالاتر جبلت کے ماسوا ایک ذی شعور طاقت بھی ہے جو خصوصی اور پیدائشی طور پر انسان کے اندر موجود ہے اور اس کا کام دونوں میں ربط و اتحاد پیدا کرنا اور توازن برقرار رکھنا ہے، وہ ذی شعور طاقت فطرتِ صالحہ و سلیمہ (جوہری توانائی) ہے، اگر ایک لمحہ کے لئے فطرت کو نظر انداز کر دیا جائے اور جبلت کی مطلق فرمانروائی تسلیم کر لی جائے تو پھر انسان اور درندہ کے اعمال و حرکات میں کوئی تفاوت نہیں باقی رہ سکتا ہے۔

(۸) انسان کی زندگی میں کچھ مخفی "تار" ایسے ہیں کہ ان کی رہنمائی کے لئے وجدان و حواس کے علاوہ عقل بھی ناکافی ہے جیسا کہ تجربات و مشاہدات سے ثابت ہے ان کی رہنمائی تنہا "وحی الٰہی" سے ہو سکتی ہے۔ اور اسی پر انسان کی سعادت و شقاوت کا دارومدار ہے، اگر انسان کے سارے اعمال و افعال کی رہنما تنہا جبلتیں قرار پائیں تو ان مخفی تاروں کی رہنمائی کس کے حصہ میں آسکے گی؟ جس کے بغیر زندگی خود زندگی سے گریزاں ہو جاتی ہے۔

---

[1] قرآن اور علم جدید نظریۂ میکڈوگل۔

جدید تحقیقات سے میکڈوگل کی بے اطمینانی

الغرض نظریۂ جبلت میں بعض خامیاں و کمزوریاں اس قسم کی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ فطرتِ انسانی تک اس کی رسائی نہیں ہو سکی ہے، نیز اس کی تعبیر و تشریح میں بعض سوالات اس انداز کے پیش آئے ہیں کہ "میکڈوگل" کے پاس ان کا کوئی معقول جواب نہ تھا، چنانچہ انہیں تمام باتوں کا نتیجہ تھا کہ نفسیات کے باب میں اتنی تحقیقات کے باوجود خود "میکڈوگل" نظریۂ جبلت سے اپنے کو بڑی حد تک مطمئن نہ کر سکا اور اپنی مشہور کتاب "اساسِ نفسیات" کے آخر میں لکھا ہے:-

"گزشتہ صفحات میں ممکن ہے قارئین کو محسوس ہوا ہو کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ ادّعاء کے ساتھ اور مغرورانہ و متکبرانہ انداز میں لکھا ہے گویا ذہنی عمل و ذہنی ساخت کو جس طرح میں نے بیان کیا ہے وہ صحیح ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور بیان بھی صحیح نہیں -

لیکن میرا اپنا عقیدہ یہ ہے کہ یہ بہترین بیان ہے جس پر میں تیس سال کے گہرے مطالعہ کے بعد پہونچ سکا ہوں، مجھے احساس ہے کہ میرے نتائج محض قابلِ عمل قیاسات ہیں جن میں ممکن ہے کہ غلطی زیادہ ہو اور صحت کم"[1]

میکڈوگل کا اعتراف اور بعض ان مسائل کی فہرست جو ابھی تک پردۂ خفا میں ہیں

پھر میکڈوگل نے کھلے بندوں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ ذہن و نفسِ انسانی کے بارے میں اب تک محض "ابجد" کی تعیین سے زیادہ کچھ کام نہیں ہوا ہے اور بعض ان اہم مسائل کی فہرست پیش کی ہے جو اس کے نزدیک اب تک پردۂ خفا میں ہیں جب تک ان سے پردہ نہ ہٹے اس باب کی بیشتر تحقیقات قطعی و حتمی نہیں قرار پا سکتی ہیں۔ مثلاً۔

(۱) ذہن کی خلقی بناوٹ کی ماہیئت اور وسعت کیا ہے؟ اس مسئلہ کے دو بڑے بڑے حصے ہیں۔

(الف) طبعی بناوٹ کی ماہیئت اور وسعت کیا ہے؟ جبلی بناوٹ کو جس طرح میں نے بیان کیا ہے اگر وہ زیادہ صحیح ہے تو کیا جبلی میلانات سادہ وحدی عناصر کی صورت میں متوارث ہوتے ہیں؟ یا یہ ان بڑی عواطف کی صورت میں موروثی طور پر اس طرح منتظم ہونے کی قابلیت رکھتے ہیں کہ ایک حد تک تمام افرادِ انسانی میں مشترک ہیں؟ اور بالخصوص یہ کہ کیا اخلاقی عواطف کے نشوونما کی کوئی خلقی قابلیت و صلاحیت ہے بھی؟

---

[1] اساسِ نفسیات ص۱۱۳

(ب) کیا عقلی ترقی کی جبلتوں، نظام عصبی کی تشکل پذیری اور نئے حالات سے مطابقت پیدا کرنے کی اسی عام قابلیت (جس کو ان صفحات میں عقل کہا گیا ہے اور اعلیٰ مظاہر میں اس کو "فراست" کا نام دیا گیا ہے) کے علاوہ کوئی اور خلقی بناء ہے؟

کیا جبلتوں کے ہیجانات کے علاوہ کوئی خلقی ہیجان ایسا ہے جو ایک عام طریقہ سے عمل کرکے عقلی ترقی کا باعث ہو؟ کیا ہمارے خلقی ساز و سامان میں کوئی چیز ایسی ہے جو کسی طریقہ سے اور کسی حد تک "خلقی تصورات" کے پرانے عقیدہ کو جائز ثابت کردے؟

کیا کوئی خلقی و قوفی میلانات ایسے ہیں جو ان میلانات کے علاوہ ہوں جو جبلتوں کی ساخت و ترکیب میں شامل ہوتے ہیں؟

بالفاظِ دیگر ان مخصوص عقلی صلاحیتوں کی خلقی بناء کیا ہے کہ جن کی وجہ سے ایک شخص دوسرے سے مختلف ہو جاتا ہے جو ایک خاندان میں موروثی معلوم ہوتی ہیں اور بعد کی نسلوں کے مختلف افراد میں نمودار ہوتی ہیں؟ [1]

اسی طرح "میکڈوگل" ارتقاء کے بارے میں کہتا ہے:۔

کیا مستقبل ارتقاء کے اور زیادہ اعلیٰ مدارج اپنے اندر پوشیدہ رکھتا ہے؟ کون کہہ سکتا ہے؟ [2]

مسئلۂ روح و جسم کے باہمی تعلق کی اہمیت و نزاکت

ان سب سے زیادہ اہم و نازک مسئلہ ذہن و مادہ اور روح و جسم کے باہمی تعلق کا مسئلہ ہے جس پر اب تک کوئی خاطر خواہ دریافت نہیں ہو سکی ہے جیسا کہ کہتا ہے:۔

"میری مراد ذہن و مادہ یا روح و جسم کے تعلق کے مسئلہ سے ہے میں نے صرف یہ کوشش کی ہے کہ متعلم میں یہ بات پیدا ہو جائے کہ وہ اس اصلی مسئلہ پر کشادہ دلی کیساتھ غور کر سکے جو نفسیات اور فلسفہ دونوں کیلئے بہت اہم ہے" [3]

اس مسئلہ کے ٹھیک حل ہو جانے سے مستقبل میں ارتقاء کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے

دراصل فطرتِ انسانی تک رسائی کیلئے اسی مسئلہ پر زیادہ غور و فکر کی ضرورت ہے اگر اس تک ٹھیک ٹھیک رسائی ہو گئی تو بہت سے لاینحل مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے اور بہت سوں کیلئے نہایت وسیع راہیں پیدا ہو جائیں گی حتیٰ کہ ارتقاء جیسا عظیم مسئلہ بھی اس طرح حل ہو جائے گا کہ انسان ارتقاء روحانی کے لامتناہی مدارج طے کرتا ہوا خالق کائنات سے ہم کنار ہو جاتا ہے۔

[1] اساس نفسیات صفحہ ۶۱۵ [2] حوالہ بالا صفحہ ۶۱۶ [3] حوالہ بالا۔

ہفت تماشائے مرزا قتیل

جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب استاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

(۲)

اور دوسری عورتیں ان کے اردگرد ڈھولک باجا لے کر ایک خاص لَے میں مدح کے اشعار گاتی ہیں، پھر یہ عورتیں ساز بجانے والی عورتوں کے ساتھ اپنے سروں کو جھماتی ہیں، یہ سر ہلانا اس بات کی علامت ہے کہ شیخ سدّو اُن کے اندر حلول کر رہے ہیں اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتی ہیں، اور جب سر جھماتے جھماتے ہوش میں آتی ہیں اور تھوڑا سا دم لیتی ہیں تو ساز بجانے والی اور دُوسری عورتیں اکٹھا ہو کر اور بعضے مرد بھی جو مرتبہ عقل میں عورتوں کے برابر ہوں، خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، اُن سے جو شیخ سدّو کی ہیئت اختیار کر لیتی ہیں، اپنی مراد مانگتے ہیں، اور آنے والے واقعات مثلِ بادشاہِ عادل کے تخت نشیں ہونے یا ملک پر دشمن کے غلبہ پانے یا یا سفر پر گئے ہوئے کسی عزیز کی موت و زندگی کے متعلق باتیں دریافت کرتے ہیں، اور اُن کے کہنے کو الہامِ غیبی اور وحیِ آسمانی جانتے ہیں، اور بعضے ایسی عورتوں کے متعلق بدکار اور فاحشہ ہونے کا گمان رکھتے ہیں، لیکن یہ بات کلیہ کے طور پر صحیح نہیں ہو سکتی، ہاں اُن میں سے کچھ ایسی ضرور ہوتی ہیں۔ کیونکہ تمام عورتوں کا یہ حال نہیں ہے تو شریف مسلمانوں کے گھروں میں بھی شیخ مذکور عورتوں میں حلول کرتے ہیں، لہٰذا جو عورت فاحشہ ہے وہ اگر ان چیزوں سے پرہیز بھی کرے تو بھی اُس میں ان خرابیوں کے سرایت کرنے کا احتمال ہے لیکن اگر عفیفہ ہو تو ہرگز اُس کے بارے میں ایسا گمان نہیں ہو سکتا، خواہ وہ حماقت اور نادانی کی بنا پر شیخ سدّو کا بھروپ بھرتی ہے، مختصر یہ کہ شیخ سدّو کے معتقدوں کا کہنا ہے کہ وہ علم تکسیر کے عامل تھے، اور اس فن میں پوری دسترس